© rasailojaraid.com

غرض کہ حضرت امیر شریعت سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ اب وہ اپنے حقیقی آقا کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ جہاں زود یا بدیر ہم سب کو پہنچنا ہے اور جہاں سے پھر کبھی کسی کو واپس نہیں آنا۔ بے شک یہ سانحہ ایک قومی حادثہ ہے۔ صاحبزادگان محترم کو ہم سے زیادہ صدمہ ہے۔ ان کے متعلقین بلکہ سارے ملک کو صدمہ ہے..... رونے والو! ان پر نہ روؤ۔ وہ اپنا سفر کامیابی سے طے کر چکے۔ اپنی حرماں نصیبی پر آنسو بہاؤ کہ اس نازک دور میں ہم ان مبارک ہستیوں سے محروم ہوگئے۔ اپنے ایمان کی خیر مناؤ۔ ان نفوس قدسیہ کے مشن کو زندہ کرو۔ علماء حق کا ساتھ دو۔ اسلاف امت کی اتباع کرو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس کی رضا مندی کے راستوں پر چل پڑو۔ بے شک وہ حضرات ہم سے جدا ہوگئے مگر ان کی روشن کی ہوئی مشعل ابھی تک روشن ہے۔ اس کی روشنی میں چلو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطاء فرمائے اور ان کے فرزندان رشید کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور / تعزیتی شذرہ

محفل عزم و عمل کا روشن چراغ

۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کی شب کو ملتان سے یہ اندوہناک اطلاع موصول ہوئی کہ محفل عزم و عمل کا وہ چراغ جو کئی سال سے مرض و ضعف کے مسلسل اور شدید جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا۔ ۷۲ سال حنا گستریوں کے بعد ۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ کی شام کو چھ بج کر ۵۵ منٹ پر ہمیشہ کے لئے بجھ گیا۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یعنی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے فالج، لقوہ اور یرقان کی تکلیف دہ بیماریوں میں متواتر چار سال مبتلا رہنے کے بعد اس دنیائے فانی کو الوداع کیا اور اپنے بے شمار دوستوں، مریدوں اور معتقدوں اور مستفیدوں کو محزون و ملول چھوڑا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اُن کی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۱۹ء میں ہوا سیاسی اعتبار سے یہ زمانہ بڑا ہنگامہ خیز اور پر آشوب تھا۔ اور تحریک خلافت پورے شباب پر تھی۔ اس زمانہ میں شاہ صاحب مرحوم امرتسر کی ایک مسجد میں خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ منصب ذمہ داری کے اعتبار سے عام طور پر ان کے زیر بحث اگرچہ مذہبی مسائل ہی رہتے تھے۔ لیکن اس ابتدائی دور میں ان کی تقریر میں بڑی روانی بڑا زور اور بڑا اثر تھا۔

مولانا سید داؤد غزنوی کا شمار اس دور میں خلافت کے مصروف اور ذمہ دار لیڈروں میں ہوتا تھا۔ شاہ صاحب کی تقریر کی تاثیر پذیریوں اور ان کے انداز بیاں کی بے پناہیوں کی اطلاع مولانا غزنوی کو پہنچتی رہتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی۔ اسی اثناء میں ایک روز انہوں نے شاہ صاحب کو یاد فرمایا وار کہا کہ مسجد کی چار دیواری سے باہر نکلیں۔ خطابت و امامت کی محدود ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو آزاد کریں۔ ملک کے وسیع تر اور غیر محدود مفادات کا جائزہ لیں اور سیاسیات کی دنیا میں قدم رکھیں۔ آج ملک کو آپ کی بے لوث اور مخلصانہ خدمات کی بے حد ضرورت ہے چنانچہ شاہ صاحب میدان میں اترے اور اپنی تمام تر خدمات ملک و قوم کے حوالے کر دیں۔ یہ ان کی بھرپور اور پرجوش جوانی کا زمانہ تھا۔

سیاسیات کے کوچے میں قدم رکھتے ہی ان کی تقریریں ہونے لگیں اور نتیجتہً ۳ سال کے لئے جیل بھیج دیئے گئے۔ اس کے بعد ان پر سنگین سے سنگین مقدمے چلے، زبردست آزمائشوں میں سے گزرنا پڑا۔ پھانسی اور عمر قید کے منصوبے بنائے گئے۔ بارہا جیل گئے اور عمر عزیز کے کئی سال زندانوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں گزار دیئے۔ آخری دفعہ وہ ۱۹۵۳ء میں پاکستان کی مشہور اور ہمہ گیر تحریک ختم نبوت میں ماخوذ ہوئے۔

مدیر الاعتصام کو ایک سلسلہ میں مولانا مجاہد الحسینی کی معیت میں مارچ ۱۹۵۶ء میں ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ وہ لاہور تحفظ ختم نبوت کی ایک کانفرنس میں تشریف لائے تھے اور دہلی دروازے کے باہر دفتر احرار میں قیام فرما تھے۔ مولانا مجاہد الحسینی نے تعارف کرایا تو اس عاجز کو اپنے پاس چارپائی پر بیٹھایا اور الاعتصام کی تعریف کی۔ بعض مضامین کی تو بہت تحسین کی اور فرمایا میرے کہنے سے ملتان کی تحفظ ختم نبوت نے ان کو کتاب کی شکل میں شائع کیا۔ مختلف عنوانات پر باتیں ہوتی رہیں۔ مولانا داؤد غزنوی کی خیر و عافیت دریافت فرمائی اور کہا میں تو ایک گوشہ نشین فقیر تھا اور مجلس میں خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ خلافت کے زمانہ میں مجھے داؤد غزنوی ہی مسجد کے گوشہ عافیت سے کھینچ کر سیاست کے خارزار میں لے آئے تھے۔

شاہ صاحب اپنی ذات سے ایک انجمن اور ایک ادارہ تھے۔ ان کی موت تنہا ایک شخص اور یک فرد کی موت نہیں ہے۔ ایک عہد ایک دور اور ایک جماعت کی موت ہے۔ وہ ایسا بے تاب و مضطرب دل لے کر آئے تھے جو اسلام اور مسلمانوں کی ہر مصیبت کے وقت بے قرار ہو جاتا تھا۔ ان کی آواز اتنی پُردرد اور پُرسوز تھی کہ برصغیر پاک و ہند اور عالم اسلام کے ہر سانحہ میں بے اختیار بلند ہو جاتی تھی۔ ظلم کے خلاف ان کی صدا اتنی مؤثر تھی کہ ایک آن میں صور اسرافیل بن جاتی تھی۔ ان کی آنکھیں اسلام اور اہل اسلام کی ہر تکلیف پر اشک آلود ہو جاتی تھیں۔ مسلمانوں کی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف بھی نہ وہ خود برداشت کر سکتے تھے اور نہ یہ گوارہ کرتے تھے کہ کوئی برداشت کرے۔ ناممکن تھا کہ وہ مظلوم کو ظلم و ستم کے شکنجہ میں جکڑا ہوا دیکھیں اور خاموش رہیں۔ وہ ملک و قوم کی تکلیف کے وقت خود روتے اور دوسروں کو رلاتے تھے۔ انہوں نے غلام آباد ہندوستان میں انگریز کے خلاف زبردست ٹکر لی اور اس کی حکومت کو اپنا سب سے بڑا حریف قرار دیا۔ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں پر ماتم کناں ہوئے اور ان کی چھوٹی سے چھوٹی مصیبت پر بھی مضطرب ہو گئے۔ انہوں نے

© rasailojaraid.com